سنگساری کو مسترد کرتے ہوئے سزائے صلیب کو قائم رکھا، مگر رومیوں کی ناراضگی کے پیشِ نظر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کی ذمہ داری یہودیوں پر ڈال دی۔

جناب پاویل کی اِس تحقیق پر مغرب کے مسیحی علمی حلقوں میں بحث جاری ہے، مگر اُن کی تائید میں کوئی آواز نہیں اُبھری۔

"بے جڑ کے پودے"

مذہبیات اور سماجی علوم کے متخصصین نے مسیحی مبشرّین کی سرگرمیوں کا مطالعہ اپنے اپنے تخصّص کے حوالے سے کیا ہے۔ اس ہمہ جہتی مطالعے کے نتیجے میں دنیا کی دوسری زندہ زبانوں کی طرح اُردو میں بھی متعدّد کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور اس ذخیرے میں آئے دن اضافہ ہوتا رہتا ہے، تاہم ایسی تحریریں بہت کم سامنے آئی ہیں جو خالصتاً ادبی حوالے سے لکھی گئی ہوں۔ سہیل عظیم آبادی (۱۹۱۱ء - ۱۹۷۹ء) معروف ترقی پسند افسانہ نگار تھے۔ ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ کرشن چندر کے دیباچے کے ساتھ لاہور سے ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد ان کے افسانوں کے دو مزید مجموعے "نئے پرانے" اور "چار چہرے" کے نام سے شائع ہوئے۔ ترقی پسند تحریک اور اس کے زیرِ اثر اُردو افسانے کی پیش رفت پر قلم اٹھانے والوں نے سہیل عظیم آبادی کو نظر انداز نہیں کیا[1]۔

سہیل عظیم آبادی سے ایک ناولٹ "بے جڑ کے پودے" ہی یادگار ہے۔ ان کا یہ ناولٹ ان کے افسانوں کی طرح دیہی زندگی کے تناظر میں لکھا گیا ہے، تاہم موضوع اچھوتا ہے۔ جناب عبدالمغنی نے ایک مضمون "سہیل عظیم آبادی: شخص اور فن کار" میں اس ناولٹ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے[2]۔

> یہ ایک عمرانی مطالعہ ہے جس میں ایک طرف تو ان بچوں کا ہمدردانہ مطالعہ کیا گیا ہے جنہیں ان کے والدین دوسروں کے سر ڈال دیتے ہیں اور اپنے حقیقی ماں باپ کو جانے بغیر ان کی پرورش گویا ایک اجنبی ماحول میں ہوتی ہے، جب کہ دوسری طرف ایک آدی باسی[3] علاقے میں کام کرنے والی غیر ملکی ننوں اور پادریوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور انہیں ایک اجنبی ماحول میں تبلیغ اور رضاکارانہ خدمت خلق کرتے دکھایا گیا ہے۔ اس طرح بچے اور مشنری دونوں بے جڑ کے پودے ہیں جو گویا ایک نامانوس سرزمین میں اپنی جڑیں تلاش اور نصب کر رہے ہیں۔ بلاشبہ مصنّف کا اصل موضوع پھینکے اور پائے ہوئے بچے ہیں، جن کی ذمہ داری سے ان کے والدین فرار اختیار کر چکے ہیں لیکن قاری

کے سامنے یہ حقیقت بھی ہے کہ ایسے بچوں کی رضاکارانہ پرورش کرنے والے بھی تو بے جڑ کے پودے ہی ہیں جو اپنی زمین اور آب و ہوا سے دور، تہذیب و تمدّن سے محروم انسانوں کے درمیان اپنی تعلیم و تربیت کے تقاضے پورے اور ایمان و عقائد کے فرائض ادا کر رہے ہیں۔

بہرحال اس ناولٹ کا پس منظر بہار کے آدی باسی علاقے، چھوٹا ناگپور کا جغرافیہ اور معاشرہ ہے اور پس منظر میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں ہیں دونوں کے مقابلے میں ایک مخصوص عمرانی صورت حال پیدا ہوئی ہے جو وحشت، جہالت اور پس ماندگی کے ساتھ تہذیب، تعلیم و تمدّن کے ٹکراؤ سے بروئے کار آتی ہے۔ ایک طرف قبائلیت ہے، دوسری طرف آفاقیت۔ ان دونوں انتہاؤں کے تصادم سے جو معاشرتی پیچیدگی اور نفسیاتی الجھن پیدا ہو سکتی ہے، اس کا تصوّر بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔ یقیناً اس صورتِ حال میں ایک افسانہ نگار کے لیے بہت ہی زرخیز مواد ہے۔ اگرچہ یہ مواد جس پیچیدہ مسئلے سے متعلق ہے اس کی نزاکت اور دشواری کا قیاس بھی بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ ایسے پیچیدہ مواد کو موضوعِ فن بنانا بجائے خود نگاہِ انتخاب کا کمال ہے، اور یہ کمال سہیل عظیم آبادی نے دکھایا ہے۔ وہ اس لحاظ سے اردو افسانہ نگاری میں بالکل منفرد ہیں۔ ظاہر ہے کہ فن کی اس نامعلوم راہ کا سراغ انہیں اس وقت ملا جب وہ بھی ایک مبلّغ بن کر اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے لیے چھوٹا ناگپور کے مرکز "رانچی" میں ایک عرصے تک مقیم رہے[۲]۔ اور انہیں موقع ملا کہ ملک کے ایک خطّے میں معاشرتی انقلاب کے ایک منظر کا براہِ راست مشاہدہ کریں۔ اس مشاہدے کی سب سے بڑی تاریخی اہمیّت یہ ہے کہ آزادیٔ ہند سے دس پندرہ سال قبل اس وقت اس کی نوبت آئی جب "کافر ہندوستان" کو "مسیحی یورپ" بنانے کی برطانوی مہم اپنے شباب پر پہنچ چکی تھی اور اس طرح جنوبی ایشیا کے مرکز میں تاریخ قدیم و "جدید" کے درمیان ایک عبوری مرحلے میں اور ایک نئے موڑ پر کھڑی تھی۔

حواشی

۱۔ مثال کے طور پر دیکھیے: خلیل الرحمٰن اعظمی، اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک، علی گڑھ (۱۹۷۲ء)، ڈاکٹر صادق، ترقی پسند تحریک اور اردو افسانہ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۵۶ء تک، دہلی: اردو مجلس (۱۹۸۱ء) ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، ترقی پسند تحریک اور بہار کا اردو افسانہ، مؤلف کی کتاب: "موضوعات" [دہلی: زلالہ پبلی کیشنز (۱۹۸۹ء)] میں

۲۔ عبدالمغنی، تنقیدِ مشرق، نئی دہلی: اردو فاؤنڈیشن (۱۹۸۷ء)، ص ۱۵۰-۱۶۱

۳۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں کے اصل باشندے جو قدیم طرزِ زندگی اپنائے ہوئے ہیں اور ازحد پسماندہ ہیں۔

۴۔ سہیل عظیم آبادی، انجمن ترقی اردو کے پروگرام کے تحت رانچی اور اس کے گردو نواح میں اردو زبان کی ترویج کے لیے کوشاں رہے تھے۔ ڈاکٹر عبدالمغنی کی روایت کے مطابق رانچی میں سہیل عظیم آبادی کے کاموں کی یادگار ایک اسکول آج تک موجود ہے۔

بحیرۂ مردار کے طوماروں کا مطالعہ

بحیرۂ مردار کے طوماروں کا ایک بڑا حصّہ چند برس پہلے تک اہلِ علم کی رسائی سے باہر تھا۔ اس حصّے کی مکمل فہرستیں شائع ہونے سے بحیرۂ مردار کے طومار ایک بار پھر "تحقیق و جستجو" کا مرکز بن گئے ہیں۔ متعدّد کتابیں سامنے آچکی ہیں اور مختلف نقطۂ نظر پیش کیے جا رہے ہیں۔ اس بڑھتی ہوئی دلچسپی کا اظہار نیدرلینڈز کے معروف ناشر ای۔ جے۔ برل کی جانب سے ایک علمی مجلّے Dead Sea Discovaries (A Journal of Current Research on the Scrolls and Related Literature کے اجراء سے ہوتا ہے۔ اپریل ۱۹۹۴ء میں مجلّے کا پہلا شمارہ شائع ہوا تھا پہلے شمارے کے تمام مقالات انگریزی زبان میں ہیں، تاہم آئندہ انگریزی کے ساتھ جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں ہی مقالات شائع ہوں گے۔